حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب تیسرا جھوٹ

ڈاکٹر منصور الحمید

تعارف:

بائیبل کی کتاب پیدائش کے باب ۱۲ اور ۲۰ میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو بار، دو مختلف بادشاہوں کے سامنے، جھوٹ بولتے ہوئے اپنی بیوی سارہ علیہا اسلام کو اپنی بہن بتایا۔ بعض احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ جھوٹ بولا۔ ان میں تیسرا جھوٹ یہی ہے جو بائیبل کی کتاب پیدائش میں بیان ہوا ہے۔ اسے صحیح بخاری کی دو روایات میں بیان کیا گیا ہے اور اس کی تائید دیگر اسناد سے کی گئی ہے۔ کئی علماء نے ان روایات کے متن پر تنقید کر کے واضح کیا ہے کہ ان روایات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت جھوٹی ہے۔ تاہم انہوں نے ان کی سند پر کلام نہیں کیا۔ زیر نظر مضمون میں بائیبل کے اس قصے کی اصل حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر صحیح بخاری کی ان روایات کی سند پر بحث کر کے یہ دکھایا گیا ہے کہ اصل غلطی کہاں ہوئی ہے۔ نیز ان روایات کے متن پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں وہ بھی بیان کر کے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ ان روایات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حیثیت سے بیان نہیں کیا جانا چاہیے۔

بائیبل میں جھوٹ کا قصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن جنوبی عراق کا ایک شہر اُر تھا جو اُس زمانے میں کالڈیا کی سلطنت کا دار لحکومت تھا۔ اُر کا علاقہ موجودہ عراق کے شہر ناصریہ کے پاس تھا اور اب وہاں اس کے کھنڈرات بھی دریافت ہو گئے ہیں۔ جنوبی عراق کے اس شہر سے ہجرت کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کنعان کے علاقے میں آئے جو پرانے فلسطین کا علاقہ تھا۔ کتاب پیدائش میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم کنعان آئے تو اُن کی عمر پچھتر سال کی تھی اور اُن کی بیوی سارہ اُن سے دس سال چھوٹی تھیں۔ کنعان آنے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ کتاب پیدائش کے مطابق اس کی وجہ یہ تھی کہ کنعان میں قحط پڑ گیا تھا۔ تاہم انہیں یہ ڈر تھا کہ کہیں اُن کی بیوی کی وجہ سے اُن کی اپنی جان خطرے میں نہ پڑ جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی پینسٹھ سالہ بیوی سارہؓ سے کہا کہ مصر کے لوگ تم جیسی خوبصورت عورت کو حاصل کرنے کے لیے مجھے مار ڈالیں گے۔ اس لیے مصر میں جب کوئی تم سے پوچھے تو کہنا کہ تم میری بہن ہو۔ اس طرح سے نہ صرف میری جان بچ جائے گی بلکہ تمہاری وجہ سے مجھ سے بھی اچھا

سلوک کیا جائے گا۔ جب وہ مصر پہنچے تو مصریوں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ مصریوں نے کہا کہ یہ حسین عورت تو بادشاہ کے لائق ہے۔ انہوں نے حضرت سارہ کو مصر کے بادشاہ فرعون کے محل میں پہنچادیا۔ کتابِ پیدائش میں ہے:

''جب ابرام مصر پہنچا تو مصریوں نے اُسے دیکھا کہ وہ عورت نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اور جب فرعون کے امراء نے اُسے دیکھا تو انہوں نے فرعون سے اُس کی تعریف کی اور اسے اس کے محل میں پہنچا دیا۔ فرعون نے ساری کی خاطر ابرام سے نیک سلوک کیا اور ابرام کو بھیڑ بکریاں، گائے بیل، گدھے گدھیاں، غلام اور کنیزیں اور اونٹ حاصل ہوئے۔ لیکن خداوند نے ابرام کی بیوی ساری کی وجہ سے فرعون اور اس کے خاندان پر بڑی بڑی بلائیں نازل کیں۔ تب فرعون نے ابرام کو بلایا اور کہا: تونے میرے ساتھ یہ کیا کیا؟ تونے مجھے کیوں نہ بتایا کہ وہ تیری بیوی ہے۔؟ تونے یہ کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے؟ اسی لیے میں نے اسے لے لیا تھا تاکہ اسے اپنی بیوی بنالوں۔ اب یہ رہی تیری بیوی، اسے لے اور چل دے۔ تب فرعون نے اپنے آدمیوں کو ابرام کے حق میں ہدایات دیں اور انہوں نے اُسے، اس کی بیوی اور مال واسباب سمیت رخصت کر دیا''(کتاب پیدائش۔ باب ۱۲۔ آیت ۱۴تا۲۰)

ا کتابِ پیدائش ایک زمانی ترتیب کے ساتھ واقعات بیان کرتی ہے۔ لکھا ہے کہ مصر میں حضرت ابراہیم کے ساتھ حضرت لوط بھی تھے۔ مصر سے واپس آئے تو حضرت لوط سدوم کے علاقے میں چلے گئے اور حضرت ابراہیم کنعان کے علاقے میں رہنے لگے۔ ابراہیم علیہ السلام کے اولاد نہیں تھی تو حضرت سارہ نے اپنی لونڈی حاجرہ کو، جو انہیں فرعون نے دی تھی، انہیں ہبہ کر دیا۔ جب وہ چھیاسی سال کے تھے تو حضرت حاجرہ سے ان کا پہلا بیٹا اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جب وہ ننانوے سال کے تھے تو فرشتے انسانی شکل میں ان کے پاس آئے اور انہیں ایک سال کے بعد حضرت سارہ سے اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ یہ بشارت سن کر انہوں نے '' ہنس کر دل ہی دل میں کہا: کیا سو سالہ مرد کے ہاں بیٹا ہوگا اور کیا سارہ جو نوے برس کی ہے، اولاد ہو گی۔''(کتاب پیدائش۔ باب ۱۷۔ آیت ۱۸)

مقدس اوراق میں زمانے کی داستان پڑھتے اور واقعات کی لہر پر آگے بڑھتے ہوئے ورق پلٹتے ہیں تو یکایک ابراہیم علیہ السلام اپنے علاقے سے نکل کر جرار کے علاقے میں چلے جاتے ہیں۔ اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی جاتی کہ وہ اچانک کیوں جرار چلے جاتے ہیں۔ یہ جرار کا علاقہ موجودہ غزہ اور اس کے جنوب کا علاقہ ہے۔ کتاب پیدائش میں وہاں کے بادشاہ کا نام ابی ملک لکھا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی بیوی سارہؓ کے بارے میں، جو اب نوے برس کی ہو چکی ہیں، پھر یہ خدشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بادشاہ ان کی بیوی کو حاصل کرنے کے لئے انہیں قتل نہ کر دے۔ چنانچہ وہ دوسری بار اپنی بیوی کو اپنی بہن ظاہر کرتے ہیں۔ سارہؓ ابی ملک کو پسند آجاتی ہیں اور اُس کے محل میں لے جائی جاتی ہیں۔ رات ابی ملک خواب میں دیکھتا ہے کہ خدا اس سے کہتا ہے کہ جس عورت کو تونے رکھا ہے وہ شادی شدہ ہے اس لئے اب مرنے کو تیار رہنا۔ ابی ملک کہتا ہے کہ خداوند ابرہیم نے خود کہا تھا کہ وہ اس کی بہن ہے اور اُس عورت نے بھی کہا تھا کہ وہ اس کا بھائی ہے، میرے ہاتھ پاک ہیں تو کیا تو بے گناہ کو ہلاک کر دے گا؟ اس پر خدا نے کہا کہ ہاں میں نے ہی تجھے اسے چھونے نہیں دیا۔ اب تو اُس آدمی کو اس کی بیوی لوٹادے کیونکہ وہ نبی ہے اور تیرے لیے دعا کرے گا۔ لیکن اگر تو نے نہ لوٹایا تو تو اور تیرے سارے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ اگلے دن ابی ملک نے ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر کہا کہ تم نے جھوٹ کیوں بولا کہ وہ تمہاری بہن ہے۔ ابراہیم نے کہا:

"میں نے سوچا کہ اس جگہ لوگوں کو بالکل خدا کا خوف نہیں ہے اور وہ میری بیوی سارہ کو حاصل کرنے کے لیے مجھے مار ڈالیں گے۔ اس کے علاوہ وہ واقعی میری بہن بھی ہے۔ یعنی میرے باپ کی بیٹی ہے، میری ماں کی بیٹی نہیں ہے۔ پھر بعد کو وہ میری بیوی بنی۔"

ابی ملک نے سارہؑ کو واپس کر دیا اور ابراہیم کو بھیڑیں،، مویشی، غلام، کنیزیں اور چاندی کے ایک ہزار سکے بھی دیئے۔ ابراہیم نے ابی ملک کے لیے خدا سے دعا کی اور خدا نے ابی ملک، اس کی بیوی اور کنیزوں کو شفا بخشی۔ اُس پہلے واقعے اور اِس میں ایک فرق یہ ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام اپنے جھوٹ کو ایک ذو معنی بات یا تعریض سے تعبیر کر رہے ہیں کہ ان کی بیوی ان کی سوتیلی بہن بھی ہے اس لیے اسے بہن کہنا جھوٹ تو نہ ہوا۔

پھر کتابِ پیدائش کا ورق الٹتا ہے اور زمانے کا نیا پرت کھلتا ہے۔ حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیل بیابان میں چلے جاتے ہیں، حضرت سارہ ایک سو ستائیس سال کی عمر پا کر حبرون میں مدفون ہو جاتی ہے، حضرت اسحاق کی شادی ربیکا سے ہو جاتی ہے، حضرت ابراہیم ایک سو پچھتر سال کی عمر پا کر فوت ہو جاتے ہیں کہ ملک میں پھر قحط پڑ جاتا ہے۔ حضرت اسحاق اپنی بیوی ربیکا کو لے کر اسی جرار کے علاقے میں چلے جاتے ہیں جہاں پھر سے ابی ملک نامی بادشاہ ہے۔ وہی بہن بیوی والا قصہ پھر دہرایا جاتا ہے۔ لوگ حضرت اسحاق سے ربیکا کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ عورت کون ہے۔ حضرت اسحاق کہتے ہیں کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر ایک روز ابی لیک ان کا جھوٹ پکڑ لیتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم نے جھوٹ کیوں بولا تو حضرت اسحاق کہتے ہیں " میں نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے مجھے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں۔" کتاب پیدائش باب ۲۶۔ آیت ۹)

کیا ایک ہی واقعہ تین بار دہرایا گیا ہے یا حقیقت میں تین مختلف واقعات ہیں۔ کتاب مقدس کے بعض متکلمین کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے دو واقعات اصل میں ایک ہیں۔ دو بار نقل ہونے کی وجہ یہ ہے ایک کا راوی کوئی اور ہے اور دوسرے کا کوئی اور لیکن قصہ ایک ہی ہے۔ راسخ العقیدہ اہل کتاب کا ماننا ہے کہ تین مختلف واقعات ہیں اور تینوں سچے ہیں۔ ان تینوں میں خدا نے اپنے برگزیدہ بندوں کے لئے اپنی نصرت، حمایت اور قدرت کی شانیں دکھائیں۔ مگر شک کے کانٹے سر اٹھاتے ہیں کہ پینسٹھ سال اور نوے سال کی عورت کیا اتنی خوصورت ہوتی ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے قتل کر دیا جائے؟ کیا ابرہیم علیہ السلام کو خدا پر توکل نہیں تھا کہ وہ اسے بچائے گا؟ اُن کو تو اِس سے پہلے اسحاق کی بشارت بھی مل چکی تھی کہ ایک سال کے بعد پیدا ہوگا۔ تو جب وہ یہ جانتے تھے کہ تقدیر میں ابھی ایک بیٹے کا آنا مقدر ہے تو پھر وہ ایسی موت سے کیوں ڈرے جو ابھی مقدر میں تھی ہی نہیں؟ کیا یہ غیرت کے منافی نہیں کہ انسان اپنی بیوی کو دوسرے کے قبضے میں جاتا ہوا دیکھتا رہے اور جان جانے کے ڈر سے خاموش رہے؟ پھر یہ کہاں کی مردانگی ہے کہ اپنی ہی بیوی کو دوسرے کے حوالے کر کے اس کے عوض بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب حاصل کیا جائے؟ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں سارہ پر آرٹیکل میں لکھا ہے کہ اس کا امکان کم ہے کہ ابراہیم دو بار بیوی کے معاملہ میں ایک ہی طرح کا خطرہ مول لیں۔ اسی طرح کا قصہ اسحاق اور ربیکا کے بارے میں دہرایا گیا ہے جس سے لگتا ہے کہ یہ تینوں واقعات تاریخی طور پر مستند نہیں ہیں۔ اس طرح کے قصوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ہمارے بزرگوں کی بیویاں نہ صرف نہایت خوبصورت تھیں بلکہ خدا کی خاص حفاظت کے سائے تلے تھیں۔

کتاب پیدائش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی کو بہن کہنے کی توجیہ یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ وہ اُن کی سوتیلی بہن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت اسحاق ایک ایسے رشتے کی بنا پر پیدا ہوئے جس کو بعد میں تورات نے حرام قرار دے دیا تھا۔ اگرچہ دنیا کی بہت سی قدیم تہذیبوں میں بہن سے

شادی ممنوع نہیں رہی لیکن ایک تو یہ عام رواج نہیں رہااور دوسرے یہ کہ عام طور پر ایسی شادی کی وجوہات سیاسی و معاشی ہوتی تھیں۔انبیاء تو حلال و حرام کے معاملے میں بہت ذکی الحس ہوتے ہیں اس لیے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ابرہیم علیہ السلام کیسے وہ کام کر سکتے تھے جس کی حرمت شریعت میں مقدر تھی؟یوں محسوس ہوتا ہے کہ جھوٹ کو توریہ کا رنگ دینے کے لیے یہ بات بنائی گئی ہے۔

کتاب پیدائش کو پڑھیں تو اس میں حضرت سارہ کی بڑائی و کبریائی اور اس کے مقابلے میں حضرت حاجرہ کی برائی و کمتری کا تصور بہت واضح ہے۔ یہ اسی تصور کا حصہ ہے کہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک مصری لونڈی تھیں جنہیں بادشاہ نے حضرت سارہ کو خدمت کے لیے دیا تھااور حضرت سارہ نے بعد میں انہیں حضرت ابراہیم کو اولاد پیدا کرنے کیے ہبہ کر دیا۔ لیکن کتاب پیدائش کے بقول تو حضرت ابراہیم کے پاس پہلے ہی سے کنیزیں تھیں، جو فرعون اور ابی ملک نے انہیں تحفے میں تھیں تو کیا اولاد پیدا کرنے کے لیے انہیں ایک مزید کنیز کی ضرورت تھی؟

کتاب پیدائش کے واقعے کی اصل حقیقت

اوپر کتاب پیدائش کے اس قصے کی تفصیل سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ سارا واقعہ ہی نہایت الجھے ہوئے انداز سے بیان کیا گیا ہے اور اس میں بے شمار تضادات ہیں۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کتاب پیدائش کے لکھنے والوں کو تین تاریخی حقائق معلوم تھے۔ ایک یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کنعان آنے کے بعد ایک بادشاہ کے پاس گئے تھے۔ دوسرا یہ کہ بادشاہ نے انہیں مال واسباب سے نوازا تھااور تیسرا یہ کہ حضرت حاجرہ وہیں سے آئیں تھیں۔اب ان تینوں حقائق میں رنگ آمیزی کرتے ہوئے یہ سارا قصہ تراشا گیا ہے۔ کتاب پیدائش لکھنے والوں کے سامنے پہلا سوال یہ تھا کہ وہاں جانے کی وجہ کیا تھی؟اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کنعان میں قحط پڑ گیا تھا دوسرا سوال یہ تھا کہ بادشاہ نے مال واسباب سے کیوں نوازا؟اس کے لیے حضرت سارہؓ کی کرامت کا قصہ گھڑا گیا۔ پھر داستان میں اس خلا کو بھرنے کے لیے کہ سارہؓ فرعون کے محل میں پہنچی کیسے، بہن بیوی والا ٹکڑا ڈال دیا گیا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ حضرت حاجرہؓ کیسے ملیں تو اس کا تعلق بھی حضرت سارہؓ سے جوڑ دیا گیا۔

احادیث میں اس واقعہ کا ذکر

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کی داستان جگہ جگہ بیان ہوئی ہے۔ بعض صحابہؓ کو ان واقعات کی مزید تفصیل جاننے کا شوق ہوتا تھا۔ مدینہ میں یہود تورات کے قصے سنایا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "اہل کتاب تورات عبرانی میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے عربی زبان میں اس کی تفسیر کیا کرتے تھے۔اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہ ان کی تکذیب کیا کرو نہ تصدیق۔ بس یہ کہا کرو کہ ہم اللہ پر اور جو اس نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لائے۔" (بخاری۔حدیث ۴۴۸۵)۔اہل کتاب کی جن باتوں کے بارے میں قرآن خاموش ہے ان کو اس شرط پر بیان کرنے کی اجازت دی گئی کہ اس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم بنی اسرائیل کے واقعات بیان کر لیا کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو وہ جہنم میں اپنے ٹھکانے کے لیے تیار رہے۔" (بخاری۔ حدیث

۳۴۶۱)۔اس اجازت کی وجہ سے حدیث و تفسیر کی کتابوں میں اسرائیلی روایات داخل ہوئی ہیں جن کی اصل نوعیت اسی طرح کی تھی کہ نہ ان کی تصدیق کی جارہی ہے نہ تکذیب۔ان کی چھان پھٹک اہل علم پر چھوڑ دی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیوی کو بہن بتانے والا قصہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔یہ صرف احادیث ہی میں آیا ہے اور جیسا کہ آگے واضح ہو گا یہ اسی نوعیت کا قصہ ہے جو اہل کتاب کے قصوں سے مسلمانوں میں آیا ہے۔ صحیح بخاری میں اس واقعہ کی تفصیل دو جگہوں پر آئی ہے۔ایک کتاب الانبیاء میں اور دوسرے کتاب البیوع میں۔پہلے کتاب الانبیاء کی روایت دیکھئے:

ہم سے محمد بن محبوب نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، اُن سے ایوب سختیانی نے، ان سے محمد ابن سیرین نے اور ان سے ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ

ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین دفعہ جھوٹ بولا تھا۔ان میں دو جھوٹ تو اللہ عزّو جل کی ذات کی خاطر بولے، ایک میں اُن کا یہ فرمانا کہ "میں بیمار ہوں" (انی سقیم سورہ الصافات۔ایت ۸۹)اور ایک میں ان کا یہ کہنا کہ " بلکہ اُن کے بڑے نے یہ کام کیا ہے " (بل فعلہ کبیر ہم ھذا۔الانبیاء۔آیت ۸۹)۔ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک بار وہ اور سارہ ایک ظالم بادشاہ کے ہاں سے گزرے تو اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک ایسا آدمی آیا ہے جس کے ساتھ بڑی خوبصورت عورت ہے۔تو بادشاہ نے ابراہیم کو بلا کر عورت کے بارے میں پوچھا کہ کون ہے ؟ تو انہوں نے کہا۔میری بہن ہے۔پھر آپ علیہ السلام سارہ کے پاس آئے اور کہا۔سارہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔اُس بادشاہ نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے کہہ دیا کہ تم میری بہن ہو۔تو مجھے جھٹلانا نہیں۔پھر بادشاہ نے سارہ کو بلوا بھیجا۔جب وہ اس کے پاس گئیں تو وہ اپنے ہاتھ سے انہیں پکڑنے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ فوراًہی (اس کا ہاتھ) جکڑا گیا۔اُس نے کہا میرے لیے اللہ سے دعا کرو، میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔انہوں نے دعا کی تو وہ چھوڑ دیا گیا۔وہ دوسری بار پھر بڑھا اور تو پھر اسی طرح سے یا اس سے بھی زیادہ سختی سے جکڑا گیا۔پھر کہا کہ میرے لیے دعا کرو، تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔تو انہوں نے دعا کی تو اس کی خلاصی ہوئی۔بادشاہ نے اپنے کسی خادم کو بلا کر کہا تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں بلکہ شیطان کو لے آئے ہو۔بادشاہ نے حاجرہ کو ان کی خدمت کے لیے دیا۔جب سارہ واپس آئیں تو ابراہیم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔تو انہوں نے اشارے سے پوچھا: کیا ہوا۔سارہ نے کہا اللہ نے اس کافر یا فاجر کے منصوبے کو اسی کے منہ پر دے مارا اور خدمت کے لیے حاجرہ بھی دے دی۔ابوہریرہؓ نے کہا اے آسمانی پانی کی اولاد۔یہ تھیں تمہاری والدہ۔"
(بخاری۔حدیث نمبر ۳۳۵۸)

سند کی تحقیق

اوپر بیان کی گئی روایت اس سند کے ساتھ مرفوع نہیں ہے، یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے بلکہ یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے۔لیکن اس روایت کی تین اسناد ہیں۔پہلی تو وہی ہے جو اوپر بیان کردہ روایت میں آئی ہے یعنی: حدثنا محمد بن محبوب، حدثنا حماد بن زید، عن ایوب، عن محمد، عن ابی ہریرہؓ دوسری سند میں ایوب سے اس کے دو طریقے ہو جاتے ہیں۔ایک حماد بن زید، جو اوپر والی روایت کی سند ہے اور

دوسرے جریر بن حازم۔ جریر بن حازم سے پھر ابن وھب روایت کرتے ہیں اور ان سے سعید بن تلید الرعینی۔ یہ دوسری سند ہے۔(بخاری: حدیث نمبر ۳۳۵۷)۔اس دوسری سند میں روایت مرفوع ہو گئی ہے۔یعنی جریر بن حازم نے اس روایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بنادیا ہے۔ جرح و تعدیل کی کتابوں میں جریر بن حازم کمزور راوی ہیں۔ابن حجرؒ نے تہذیب میں احمدؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کافی غلطیاں کرتے تھے اور ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ ان کی غلطیاں کرنے کی وجہ یہ تھی کہ سب کچھ اپنی یاداشت کے سہارے بیان کرتے تھے۔(تہذیب: ۷۱:۲)۔اس لیے ایوبؒ سے جریر بن حازمؒ کی روایت، جریر بن حازم کے ساقط الاعتبار ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہے۔

روایت کی تیسری سند حماد بن زید سے چلتی ہے۔یعنی جیسے ایوب نے دو لوگوں، جریر بن حازم اور حماد بن زید کو بتایا اسی طرح سے آگے چل کر حماد بن زید نے بھی دو لوگوں کو بتایا۔ایک محمد بن محبوب کو، جو اس روایت کی پہلی اور اصل سند ہے اور دوسرے سلیمان بن حرب کو۔ یہ اس روایت کی تیسری سند ہوئی۔ مکمل سند اس طرح سے ہے: حدثنا سلیمان، عن حماد بن زید، عن ایوب، عن محمد عن ابی ہریرہؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔(بخاری : حدیث ۵۰۸۴)۔اس میں اور پہلی سند میں فرق آخری راوی کا ہے۔ایک میں روایت محمد بن محبوب سے ہے اور دوسرے میں سلیمان (پورا نام سلیمان بن حرب) سے ہے۔ محمد بن محبوب کہتے ہیں کہ یہ ابو ہریرہ کا قول ہے اور سلیمان بن حرب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ جرح و تعدیل کی کتابوں میں دونوں ثقہ مانے گئے ہیں۔تو پھر کس بات سچ ہے اور کس کی جھوٹی؟ محدثین کہتے ہیں کہ محمد بن محبوب والی روایت میں شدت احتیاط کی وجہ سے روایت کو ابو ہریرہ تک موقوف کیا۔تو یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ سلیمان بن حرب نے شدت شوق میں موقوف کو مرفوع کیا۔ یا اُن پر اس خیال نے غلبہ پالیا کہ روایت تو مرفوع تھی لیکن ابن سیرین نے احتیاط کی وجہ سے اسے موقوف کر دیا۔اپنے اس غالب گمان کی وجہ سے انہوں نے خود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس میں ڈال دیا۔ ہمارے خیال میں یہی دوسری بات زیادہ صحیح ہے۔اس روایت کی پہلی والی سند ہی صحیح ہے جس میں اسے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول بتایا گیا ہے۔اس کی دوسری سند میں جریر بن حازم مجروح ہیں اور تیسری سند میں سلیمان بن حرب نے غلطی کی ہے۔

متن کی تحقیق

اس روایت کا متن بھی اس سے ابا کر رہا ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مانا جائے۔روایت کا آغاز اس سے ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا تھا۔دو بار اللہ کے لیے اور پھر تیسرے جھوٹ کی تفصیل روایت بیان کرتی ہے۔ حدیث میں اس کے لیے کذب کا لفظ آیا ہے۔ محدثین کہتے ہیں کہ کذب کا مطلب صرف جھوٹ بولنا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی میں مغالطہ دینا، ذو معنی بات کرنا، توریہ سے کام لینا یا تعریض کے ہیں۔ تین جھوٹ سے مطلب ہے کہ ابراہیم نے تین بار مغالطہ دیا یا ایسی ذو معنی بات کہی جس سے مخاطب غچہ کھا جائے۔کذب کے معنی اگر تعریض یا مغالطہ دینے کے لے بھی لے لیے جائیں تو کیا ان معنوں کا اطلاق اُن تین واقعات پر ہو سکتا ہے؟ مثال کے طور پر جب انہوں نے کہا کہ انی سقیم ،میری طبیعت ناساز ہے تو یہ کیوں نہ مانا جائے کہ واقعی اُن کی طبیعت خراب تھی۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:۔"رہا انی سقیم والا واقعہ تو اس کا جھوٹ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت ابراہیم فی الواقع اُس وقت بالکل صحیح اور تندرست تھے اور کوئی ادنی سی شکایت بھی ان کو نہ تھی۔" (تفہیم القرآن۔ تفسیر سورہ الانبیاء آیت ۶۳)۔تاہم کھینچ کھانچ کر اگر اس واقعے پر توریہ کا اطلاق کر بھی لیا جائے تو دوسرے پر تو کسی بھی طرح

سے توریہ ثابت نہیں ہوتا۔ یہ دوسرا واقعہ وہ ہے کہ جب لوگوں نے پوچھا کہ کیا تم نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے تو انہوں نے جواب دیا "بلکہ ان کے بڑے بت نے کی ہو گی، ان بتوں سے، اگر یہ بول سکتے ہیں، تو پوچھ لو۔" (الانبیاء۔ آیت ٦٣)۔ ظاہر ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اس بڑے بت ہی نے یہ حرکت کی ہو گی تو انہیں معلوم تھا کہ وہ سچ نہیں بول رہے، لیکن جن کو وہ سنا رہے تھے اُن کو بھی پتہ تھا کہ یہ سچ نہیں کہہ رہے، کہنے والا اور سننے والے دونوں جانتے تھے کہ نہ یہ سچ ہے نہ غچہ دینا ہے نہ توریہ ہے نہ تعریض۔ کہنا والا جانتا تھا کہ وہ طنز کر رہا اور مذاق اڑا رہا ہے۔ سننے والے بھی سمجھ گئے تھے کہ یہ طنز ہی نہیں ہمارے عقیدے کا مذاق بھی ہے۔ اس طنز و استہزا پر کذب کا اطلاق کیسے کیا جا سکتا ہے؟ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔ "کوئی معمولی عقل و خرد کا آدمی بھی اس سیاق و سباق میں حضرت ابراہیم کے اس قول پر لفظ جھوٹ کا اطلاق نہیں کر سکتا کجا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذ اللہ اس سخن ناشناسی کی توقع کریں۔" (تفہیم القرآن۔ تفسیر سورہ الانبیاء آیت ٦٣)۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سورہ انبیاء کی اس آیت پر نہایت عمدہ بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ تفسیر القرآن کی تاریخ کی بوالعجبیوں میں سے اس سے بڑھ کر اور کوئی نا قابل توجیہ بوالعجبی نہیں۔ قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اس اصدق الصادقین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو۔ لیکن یہ تکلف ایک آیت کو توڑ مڑ ور کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن جائے اور اثباتِ کذب کی یہ مبارک کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ صرف اس لیے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے۔ پس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کمزور ماں لینی پڑے۔ گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے نہ کہ معصوم رسولوں کا۔ اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے تو قرآن کو روایت کے مطابق بنانا پڑے گا۔ راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی ہل نہیں سکتی۔۔۔ اس تمام سر گزشت میں کونسی بات ایسی ہے جس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو۔۔۔ اُن کا یہ کہنا کہ بل فعلہ کبیر ھم ھذا تو ظاہر ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے انکار فعل نہیں ہو سکتا۔۔۔ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ حجت الزامی تھی۔۔۔ صاف بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دہرایا ہے۔ یعنی ہمارے لیے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی بمقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کر لیں۔ اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے تو بہر حال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہو گی لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط تسلیم کر لیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہو گئی۔"

دوسری روایت

دوسری روایت صحیح بخاری کی کتاب البیوع میں ہے۔ روایت یہ ہے:

۔"ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، اُن کو شعیب نے خبر دی، اُن سے ابوالزناد نے بیان کیا، ان سے اعرج نے، ان سے ابوہریرہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی اور ان کو لے کر ایک بستی میں داخل ہوئے جس پر ایک بڑا بادشاہ یا ایک بڑا جبار، راوی کو شبہ ہے کہ کون سا لفظ کہا، حکمران تھا۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ ابراہیم آئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک حسین عورت ہے۔ اس نے پوچھوایا کہ ابراہیم! یہ تمھارے ساتھ کون عورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر سارہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو میری بات کو جھٹلانا نہیں۔ میں نے اس کو بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ اللہ کی قسم! روئے زمین پر میرے اور تمھارے سوا کوئی اور مومن نہیں ہے۔ پھر سارہ کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ سارہ کی طرف بڑھنے کے لیے اٹھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں، وضو کیا اور نماز شروع کر دی اور دعا کی کہ اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے ناموس کی حفاظت کی ہے، بجز اپنے شوہر کے کسی اور کو اجازت نہیں دی، تو اس کافر کو میرے اوپر مسلط نہ ہونے دے۔ اس پر بادشاہ کا سانس گلے میں پھنس گیا اور وہ گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔

اعرج نے کہا کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمنؓ نے کہا کہ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ :

سارہ نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اس عورت نے اس کو قتل کیا، چنانچہ بادشاہ کو بچا لیا گیا۔ پھر اس نے سارہ کا ارادہ کیا تو انھوں نے وضو کیا، نماز کے لیے کھڑی ہوئیں اور دعا کی اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے، بجز اپنے شوہر کے کسی کو اجازت نہیں دی تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دے۔ اس پر بادشاہ کا سانس اس کے حلق میں پھنس گیا اور وہ گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔

عبدالرحمنؓ نے ابو سلمہؓ اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے کہا کہ

سارہ کہنے لگیں کہ اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اس عورت نے قتل کیا تو دوسری یا تیسری دفعہ بھی وہ اچھا ہو گیا۔ تو بادشاہ نے کہا یہ تم لوگوں نے ایک شیطان عورت کو میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اس کو ابراہیم کے پاس لوٹا دو اور ہاجرہ، ایک لونڈی اس کو دے دو۔ وہ اس کو لے کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس لوٹیں اور کہا کہ آپ کو پتہ ہے کہ اللہ نے اس کافر کو کس طریقے سے ذلیل کیا اور کتنا مجبور ہو کر اس نے ایک چھوکری میری خدمت میں لگا دی۔" (بخاری۔ حدیث ۲۲۱۷)

روایت کی سند اور اس کے تضادات

یہ روایت بظاہر ایک ہی معلوم ہوتی ہے لیکن اصل میں تین ہیں۔ اس کا پہلا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کی سند اعرج سے ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دوسرا حصہ اعرج نے ابو سلمہ سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا۔ (اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں ہے) تیسرے حصے کو عبدلرحمن نے ابو سلمہ سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا۔ (اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں ہے)۔ گویا ایک ہی روایت جو ایک ہی واقعہ کو بیان کر رہی ہے کو سنانے والے اصل میں تین لوگ ہیں۔ ایک تہائی روایت اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان کرتی ہے اور دو تہائی روایت اسے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول بتاتی ہے۔ اس کی سند میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس کی دوسری اور تیسری سند میں التباس پیدا کیا گیا ہے۔ اعرج کا پورا نام عبدالرحمن بن ھرمز الاعرج ہے۔ دوسری سند میں اعرج کے لقب سے ذکر کیا اور

تیسری سند میں اصل نام عبدالرحمن سے ذکر کیا۔ گویا دوسری اور تیسری سند ایک ہی ہے۔ جب دوسری اور تیسری سند ایک ہی ہے تو اسے اکٹھا کیوں نہ بیان کیا گیا۔ نام اور لقب کے فرق سے الگ کر کے کیوں گھپلا کیا گیا؟۔

تین سندوں سے ایک ہی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے بیان کے تسلسل کو نہایت غیر فطری انداز سے توڑا گیا ہے۔ اعرج کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داستان اس حد تک سنائی کہ بادشاہ گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔ آگے کیا ہوا، وہ ٹھیک کیسے ہوا، یہاں سے اعرج کا رابطہ ابوہریرہ سے یکدم ایسے منقطع ہو جاتا ہے جیسے آج کے زمانے میں فون پر بات کرتے ہوئے منقطع ہو جایا کرتا ہے۔ گویا یوسف کو کنوئیں میں ڈال تو دیا اب وہ اس سے نکلیں گے کیسے، یہاں ابوہریرہؓ اعرج سے یکدم منہ موڑ لیتے ہیں اور باقی کی بات ایک تیسرے صاحب ابوسلمہؒ کو سناتے ہیں۔ چنانچہ اعرج اب مجبوراً ابوسلمہؒ کے ذریعے داستان کو مکمل کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے پوری داستان اعرج کو کیوں نہ سنائی اس کا آدھا حصہ ہی کیوں سنایا؟ پھر جس کو باقی کا آدھا حصہ سنایا اس نے اسے ابوہریرہؓ کے قول کی حیثیت ہی سے کیوں بیان کیا، وہاں روایت مرفوع کیوں نہ ہوئی؟

متن کی تحقیق

روایت میں اس کا تو ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کو اپنی بہن بتایا لیکن کیوں بتایا، اس کی تصریح نہیں ہے۔ شارحین حدیث نے اس میں کئی طرح کی خیال آرائیاں کی ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ بادشاہ کے دین میں صرف شادی شدہ خواتین ہی سے تعرض جائز تھا۔ دوسرا یہ کہ بادشاہ انہیں طلاق دینے پر مجبور کر سکتا تھا یا قید کر سکتا تھا۔ ابن حجر نے وہب بن منبہ کے حوالے سے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم کو اندازہ تھا کہ بادشاہ ہر صورت میں حضرت سارہ کو ہتھیانے کی کوشش کرے گا۔ اگر اسے یہ بتایا گیا کہ وہ ان کی بیوی ہے تو وہ انہیں قتل کرا سکتا تھا۔ (توفیق الباری: جلد ۵۔ ص: ۵۷) گویا اپنی جان بچانے کے لیے بیوی کو بہن بتایا۔ یہ وہی بات ہے جو کتاب پیدائش میں ہے۔ یہاں اسے ابن حجر نے اسے وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ وہب بن منبہ اہل کتاب کی روایات نقل کرنے میں معروف ہیں۔ یہ بھی اس کا قرینہ ہے کہ یہ ساری داستان اہل کتاب ہی کی طرف سے آئی ہے۔

بالفرض یہ مان لیا جائے کہ یہ روایت اور اس سے پہلے کی کتاب الانبیاء کی بیان کردہ روایت، دونوں ہی صحیح ہیں، ان سب کے راوی سچے اور سب کا حافظہ بھی نہایت اعلیٰ ہے تو پھر ان کے دونوں کے بیانات میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے لیکن بدقسمتی سے ان بیانات میں کئی جگہوں پر اختلافات و تضادات ہیں۔ پہلی روایت میں یہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ حضرت سارہ کی طرف بڑھا تو اس کا ہاتھ جکڑا گیا، دوسری میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ وضو کر کے نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں، دعا کی تو بادشاہ ایڑیاں رگڑنے لگا۔، پہلی میں یہ ہے کہ جب بادشاہ جکڑا گیا تو اُس نے حضرت سارہ سے درخواست کی کہ میرے لیے دعا کرو۔ دوسری میں بادشاہ کو مرگی جیسا دورہ پڑ گیا اور وہ بول نہیں سکتا۔ حضرت سارہ اس کی حالت دیکھ کر خود ہی ڈر جاتی ہیں کہ مر گیا تو مجھ پر الزام آئے گا۔ اس لیے وہ خود سے اُس کے ٹھیک ہو جانے کی دعا کرتی ہیں۔ دونوں میں سے کون سی بات ٹھیک ہے؟ کسی وقوعہ کے بارے میں اس طرح کے بیانات اگر عدالت میں دیئے جائیں تو دونوں ہی جھوٹے قرار دے کر خارج ہو جائیں۔

اگرچہ ان احادیث میں حضرت ابراہیم کے اس جھوٹ کی توجیہ دینی بہن کہہ کر کر گئی ہے لیکن اس کے پردے میں دو نہایت سنگین الزامات اُن پر لگا دیئے گئے ہیں۔ یہ دو الزامات وہی ہیں جو کتاب پیدائش میں ان کی داستان پڑھتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کیا ابراہیم علیہ السلام کو خدا پر اتنا ایمان و توکل نہیں تھا کہ وہ آپ کی حفاظت کرے گا اور آپ کی جان بچائے گا۔ قرآن میں ان کا کردار نہایت اولی العزم پیغمبر کا بیان ہوا ہے۔ جب انہوں نے بتوں کو توڑتے ہوئے اس کے نتائج و عواقب کی پرواہ نہیں کی تو پھر وہ جان کے خوف سے جھوٹ کیوں بولتے؟ قرآن سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ انہیں بیٹے کی خوشخبری ہجرت کے موقع پر ہی دے دی گئی تھی۔ قرآن میں ہے کہ انہوں نے ہجرت کرتے ہوئے یہ دعا مانگی " میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں، وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔ اے پرودگار مجھے صالح اولاد عطا فرما۔ تو ہم نے اسے بردبار بیٹے کی بشارت دی۔" (الصافات ۵۳۔۵۵)۔ جب ہجرت کے موقع پر ہی بیٹے کی بشارت دے دی گئی تھی اور ایک بیٹے کا آنا تقدیر میں مقدر تھا تو کیسے ممکن تھا کہ بیٹے کی ولادت سے پہلے جان جانے کا خوف ہوتا؟ اگر بیٹے کی یہ بشارت نہ بھی ہوئی ہوتی تب بھی ان کے ایمان کا حال تو یہ تھا کہ خواب دیکھا اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔ جھوٹ کے پردے میں دوسرا الزام بھی نہایت افسوسناک ہے۔ جب ہم ایک عام غیرت مند انسان سے اس کی توقع نہیں کرتے کہ کوئی سردار یا وڈیرہ کسی سے اس کی بیوی لینا چاہے تو وہ اس کو بہن بتا کر چپ چاپ اس کے حوالے کر دے، تو ہم ایک جلیل القدر پیغمبر سے اس کی توقع کیسے کر سکتے ہیں؟ اس روایت پر بحث کرتے ہوئے مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں: " حدیث کی زیر بحث روایت میں تیسرے " جھوٹ " کی بنیاد اسی صریح لغو اور مہمل اسرائیلی روایت پر ہے۔ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو بھی ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لیے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے؟ اسی طرح کی افراط پسندیاں پھر معاملے کو بگاڑ کر اس تفریط تک نوبت پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کر رہے ہیں۔" (تفہیم القرآن۔ تفسیر سورہ الانبیاء آیت ۶۳)

اس روایت کے متن پر بحث کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں:

۔" حدیثوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو تین جھوٹ مشہور ہیں ان میں سے ایک جھوٹ یہی ہے جو اس روایت میں بیان ہوا ہے۔ اب تک ہم ان کے جھوٹ کی توجیہ یوں کر دیتے تھے کہ کذب کا لفظ مغالطہ دینے کے معنی میں بھی آتا ہے اور ایسا کرنا اور ذو معنی بات کر دینا جائز ہے۔ لیکن یہاں یہ قصہ جس طرح بیان ہوا ہے اگر ذرا بھی کسی میں عقل ہے تو تسلیم کر لے گا کہ یہودیوں کا گڑھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ہاجرہ کی اولاد ہیں اور حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت سارہ کی۔ تو یہود یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک لونڈی کی اولاد ہیں اور لونڈی حضرت سارہ کو اس طریقے سے ملی تھی اور حضرت سارہ کے اندر یہ یہ کرامات تھیں۔ اس قصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا جھوٹ بولنے کا مرتکب گردانا گیا ہے جس کا آسمان و زمین میں کوئی فائدہ نہیں۔ اگر وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میری بہن ہے تو اس سے تو بادشاہ کو ترغیب ہوتی اور فی الواقعہ ایسا ہی ہوا۔ اگر وہ یہ کہتے کہ میری بیوی ہے تو کوئی خیال کر سکتا تھا کہ کسی کی منکوحہ پر ہاتھ ڈالنے کی کیا حماقت کرے، یہ کون سی مردمی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ دیکھو مجھے جھٹلا ئیو نہیں، میں نے ان سے کہا ہے کہ تم میری بہن ہو لہذا تم یہ بیان نہ بدلنا۔ اور اللہ کی قسم روئے زمین پر ہم دو ہی مومن ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے، کیا ایمان کی خاطر جھوٹ بولا تھا؟ ایمان کا کم از کم تقاضا تو یہ تھا کہ جھوٹ نہ بولتے۔ مزید غور

کیجیے تو یہاں دوسرا جھوٹ بھی چھپا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم ان کی جان کی دشمن ہو گئی تو انھوں نے ہجرت کی۔ اس وقت ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی ان پر ایمان لائے ہوئے تھے اور یہ چچا بھتیجا اکٹھے سر زمین کنعان میں آبسے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ روئے زمین پر صرف دو ہی مومن نہ تھے بلکہ کم از کم تین مومن تھے۔ بہر حال یہ روایت یہودیوں کا گپ ہے جس کو امام صاحب نے اپنی صحیح میں ٹھونس دیا ہے اور یہ روایت صحیح بخاری کے سوا، جہاں تک مجھے یاد ہے، اور کہیں نہیں ہے۔" (تدبر حدیث۔ ص ۴۹۰)

صحیح بخاری کی ان دو روایت کی سند اور متن پر تحقیق سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں بلکہ یہود کی داستان تھی جو جیسے سنی سمجھی گئی ویسے سنادی گئی۔ محمد ابن سیرین کی روایت اسے حضرت ابوہریرہؓ کا قول بیان کرتی ہے، یہی بات صحیح ہے۔ اعرج کی روایت اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بتاتی ہے جو سند اور درایت کے لحاظ سے غلط ہے۔ یہاں اس کا تذکرہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں بھی سند کا یہی مسئلہ ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ حضرت سلیمان نے ایک بار ارادہ کیا کہ وہ ایک رات میں اپنی ننانوے یا سو بیویوں کے پاس جائیں گے اور ہر ایک سے مجاہد پیدا ہو گا لیکن انشاءاللہ نہیں کہا چنانچہ صرف ایک سے آدھے دھڑ کا بچہ پیدا ہوا۔ اس روایت کی سند بھی اعرج سے ہے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بتایا ہے (بخاری حدیث نمبر ۲۸۱۹) جبکہ یہی روایت محمد ابن سیرین سے بھی ہے اور وہ اسے ابوہریرہؓ کا قول بیان کرتے ہیں۔ جس طرح سے حضرت سلیمان والی روایت کا متن اس سے ابا کرتا ہے کہ اسے قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھا جائے اسی طرح اعرج کی حضرت ابراہیم کے بیوی کو بہن کہنے والی روایت بھی قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ اہل کتاب کی داستان تھی جو بقول محمد ابن سیرین کے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیے بغیر سنائی۔

اس سلسلے میں آخری بات حضرت حاجرہؓ سے متعلق ہے۔ کتاب پیدائش میں اس کا تو ذکر ہے کہ وہ سارہؓ کی مصری لونڈی تھیں لیکن وہ سارہؓ کے پاس کیسے آئی تھیں اس کی تفصیل کتاب پیدائش میں نہیں بلکہ اس کی تفسیری لٹریچر مدراش میں ہے۔ اس تفسیری لٹریچر، جسے اب ربانیکل لٹریچر بھی کہا جاتا ہے، کی ایک روایت کے مطابق وہ فرعون کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ نے حضرت سارہؓ کی کرامت دیکھتے ہوئے یہ کہہ کر انہیں حضرت سارہؓ کے حوالے کر دیا ہے کہ۔" کسی دوسرے کے گھر میں شہزادی بن کر جانے سے بہتر ہے کہ سارہ کے گھر میں خادمہ بن کر رہے۔" (Ge. Rabbah 45:1) (مدراش کے مطابق لفظ حاجرہ اصل میں ھا۔ جر ہے جس کا معنی ہے یہ۔ اجر۔ ہے۔ اجر بمعنی معاوضہ کے ہے۔ واضح رہے کہ عبرانی اور عربی ملتے جلتے ہیں۔ یہی روایت مسلمانوں میں مقبول ہوئی ہے جس کے مطابق وہ بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ ابن حجر عسقلانی اور کئی دوسروں نے لکھا ہے کہ وہ لونڈی نہیں بلکہ بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ روایت کی اصل مدراش ہے، وہیں سے نقل ہو کر مسلمانوں میں آئی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ بادشاہ نے اُن کو سارہ کو تحفے یں دیا تھا تو یہ درست نہیں لگتا۔ اصل بات یہ رہی ہو گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کنعان سے قحط کی وجہ سے نکل کر نہیں بلکہ تبلیغ کی غرض سے اپنے علاقے کے بادشاہ کے اسی طرح سے گئے ہوں گے جیسے وہ اُر میں نمرود کے پاس گئے تھے۔ تاہم نمرود کے برعکس یہاں کے بادشاہ نے اُن کے علم و فضل سے متاثر ہو کر انہیں مال و اسباب دیا اور ساتھ ہی اپنی یا مصر کی کسی نہایت معزز خاندان کی بیٹی حاجرہ کو ان کے نکاح میں دے دیا۔ انہی کے بطن سے پھر اسماعیل پیدا ہوئے۔

لیکن یہ بات یہودیوں کو ہضم نہیں ہو سکی کہ سارہ کے مقابلے میں حاجرہ کو شہزادی تسلیم کریں اور اسماعیل کو لونڈی کے بیٹے کی بجائے شہزادی کا بیٹا مان لیں۔ اسی حسد و رقابت میں بہن بیوی والی داستان گھڑی گئی تا کہ سارہؓ کی کرامت ظاہر ہو اور پھر سارہؓ کو حاجرہؓ بطور لونڈی کے ملے۔

خلاصہ بحث

☆ کتاب پیدائش کے واقعے کی اصل حقیقت اتنی ہے کہ حضرت ابراہیم مصر گئے تو فرعون مصر نے ان کا نہایت اکرام کیا، انہیں تحفے کے طور پر مال مویشی وغیرہ دیئے اور ساتھ میں حاجرہؓ کو ان کے نکاح میں دیا۔ چونکہ سارہؓ کے بطن سے حضرت اسحاق اور پھر ان سے حضرت یعقوب پیدا ہوئے جنہیں یہود اپنا جدامجد سمجھتے ہیں اس لیے حضرت حاجرہ کی عالی نسبی گوارہ نہیں ہوئی۔ ان کے مقابلے میں حضرت سارہ کی خوبصورتی اور کرامت ظاہر کرنے کے لیے یہ سارا واقعہ گھڑا گیا۔

☆ روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی روایات کو تصدیق و تکذیب کئے بغیر بیان کرنے کی اجازت تو دی لیکن ساتھ ہی خبردار کیا کہ جس نے میری طرف عمداً جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ زیر بحث روایت حضرت ابوہریرہؓ نے اہل کتاب سے سن کر بیان کی۔ آپؓ نے معاذاللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں باندھا بلکہ آپؓ سے روایت کرنے والوں نے غلطی کی ہے۔

☆ صحیح بخاری میں یہ روایت دو جگہوں پر آئی ہے۔ کتاب الانبیاء میں یہ محمد بن محبوب کی سند کے ساتھ یہ موقوف ہے، یعنی یہ حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے۔ اسی روایت کی تائید دو دیگر اسناد سے کی گئی ہے۔ ان اسناد میں روایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ اصل بات یہ ہے کہ اس روایت کی دوسری سند میں جریر بن حازم مجروح ہیں اور تیسری سند میں سلیمان بن حرب نے غلطی کی ہے۔ دوسری روایت کتاب البیوع میں اعرج سے ہے۔ اس کا دو تہائی موقوف ہے اور ایک تہائی مرفوع۔ اس روایت کی اصل مصیبت اعرج ہیں۔ انہوں نے ہی حضرت ابوہریرہؓ کی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بنا کر بیان کر دیا ہے۔

☆ ان روایات کے متن پر تنقید بھی یہ واضح کر دیتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت جھوٹی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اسے اہل کتاب سے سنا اور اپنے الفاظ میں اسے قرآن کی دوسری آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا۔ اس کی نوعیت تفسیری روایت کی ہے۔ جس طرح سے قرآن کی بے شمار آیات کے بارے میں صحابہؓ کے تفسیری اقوال ہیں، اسی طرح کی یہ بھی ہے۔ اسے قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تاکید کی ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ تقویٰ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضہ یہ ہے کہ اس روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حیثیت سے بیان نہ کیا جائے۔